بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

اِس وقت مُلک کو باہر سے بھی اور اندر سے بھی بہت سے تشویش انگیز حالات کا سامنا ہے۔ اوّل تو اِس ملک کی تشکیل برصغیر کی متعصب اکثریت کے لیے ناقابلِ برداشت حادثہ تھی، اور پھر جب پاکستان کا ظہور سامنے آ گیا تو ہمارے مہربانوں نے مسلمان قوم کے خون کے دریا بہا دیئے، اور ان کے گھروں اور جائیدادوں کو آگ کے حوالے کر دیا۔ پھر جو خطِ تقسیم کھینچا گیا، اسے ریڈ کلف ایوارڈ کے سربراہ کے ذریعے حسبِ منشا آگے پیچھے کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے کشمیر کا ارضی رابطہ خیانت وارانہ طریق سے بھارت کے ساتھ قائم ہوا۔ اور اس حادثے کے نتیجے میں آج تک کشمیر کے مسلمان اپنی جگہ تڑپ رہے ہیں اور ہم پاکستان کے مسلمان ان کے لیے دُکھی ہیں۔ تقسیمِ املاک میں بھی سنگین ہیر پھیر کیا گیا۔ اور جو حصّہ طے ہوا اُس کی ادائیگی بھی ہمارے مہربانوں نے صحیح طور پر نہ کی۔ بات اتنے ہی پر قصّۂ ماضی نہیں بنا دی گئی بلکہ بھارت کے نمایاں ہندو لیڈروں اور اخبارات نے اس جذبے کا واضح لفظوں میں اظہار کیا کہ پاکستان بن گیا ہے تو چلنے نہ پائے اور اسے دوبارہ بھارت میں شامل کیا جائے۔

دوسری طرف صہیونی قوت ہے جو صدیوں سے عیسائی حکومتوں میں مار کھانے کے بعد اپنی سابق مظلومیت کا سارا انتقام مسلمانوں سے لے رہی ہے اور اس انتقام میں وہ درندگی کی اس انتہا تک آ گئی ہے کہ قرونِ مظلمہ کے لوگ بھی اتنے بڑے پیمانے کے مذبوحی حرکات تک نہ پہنچے

ہوں گے ۔ صہیونیوں کی نگاہ اس بات پر ہے کہ دوسری تمام مسلم ریاستوں سے پاکستان اس لیے زیادہ خطرناک ہے کہ یہاں نظریہ اسلامی جڑیں چھوڑ رہا ہے اور تحریک اسلامی کی لہریں مسلسل تند و تیز ہو رہی ہیں ۔ یہ ملک محض ایک سلطنت نہیں ہے ——— نو چھوٹا سا رقبہ رکھتی ہے ، اصل پاکستان پھیل رہا ہے اور وہ تمام مشرق وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا کی مسلم ریاستوں میں نفوذ کر رہا ہے ۔ پھر اس کی ایٹمی قوت کے بارے میں مغربی اور اسرائیلی ذرائع ابلاغ نے ایسے ایسے افسانے اور ڈرامے گھڑے ہیں کہ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ پروپیگنڈے کا جادو جھوٹ کو سچ بنا کے دکھا دیتا ہے ۔ صہیونیت نے براہ راست پاکستان میں بھی کچھ نہ کچھ آدمی گھسا رکھے ہیں[1] ۔ لیکن اس نے اپنا پاکستان دشمن سنٹر بھارت میں قائم کیا ہے ۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں بھارت کی فوجی قیادت کو جنگی کارروائیوں میں اسرائیلی افسروں کا استادانہ تعاون حاصل رہا ہے ۔

تیسری طرف افغانستان کی کارمل حکومت ہے جو روس کی فوجی قوت کے زور سے اسلام اور آزادی اور غیرت کے متوالے افغانی مجاہدین کا خون بہا رہی ہے اور وہاں کی غیر مصافی آبادی کی بستیاں بموں سے تباہ کر کے ان کو ہجرت پر مجبور کر رہی ہے ۔ یہ مظلومین برادر پڑوسی ملک پاکستان میں آ کر پناہ لے رہے ہیں اور ان کی تعداد یہاں ۲۵ لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے ۔

پاکستان اوّل تو نظریہ اسلامی کی انقلابی رَو کا سرچشمہ ہونے کی وجہ سے روس کی نگاہوں میں پہلے سے معتوب تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ روس نے نہ صرف مسئلہ کشمیر میں اپنا پورا وزن بھارت کے پلڑے میں ڈال دیا بلکہ ۱۹۷۱ء کی جنگ سے پہلے اس نے بھارت سے دوستانہ امداد کے

---

[1] یہ بھی نہ بھولیے کہ اسرائیل میں ہمارے ایک اقلیتی گروہ کا خاص تبلیغی اڈا ابتدا سے قائم ہے ۔ اور اس گروہ کی ایک ٹانگ بھارت میں ہے ، دوسری پاکستان میں ۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے اس گروہ کو ساری قوم کے بخلاف اسرائیل سے بہت زیادہ پیار کیوں ہے اور اسرائیل نے کیوں اسے گلے لگا رکھا ہے ؟

معاہدے کیے اور عملاً ۱۹۷۱ء میں ایسا پارٹ ادا کیا کہ ملک کا ایک حصہ الگ کرانے والوں کی سازش نہایت آسانی سے کامیاب ہو گئی[1]

بہ حیثیت مجموعی مغرب کے ذہین و فطین (INTELLECTUAL) طبقے نے ہمارے خلاف عملی سطح پر جو پروپیگنڈا شروع کر رکھا ہے اس کی کلیدی اصطلاح انہوں نے بنیاد پرست مقرر کی ہے (FUNAMENTALISTS)۔ یہ اصطلاح نئی ہے مگر اس میں معنی وہی پرانے ہیں جو ہنٹر وغیرہ کے زمانے سے لفظ مُلّا کے لیے جاتے تھے۔ یعنی بنیاد پرست وہ قدامت پسند اور تاریک خیال اور محدود النظر اور انتہا پسند لوگ ہیں جو اساسی عقائد و احکام کو اس طرح آنکھیں بند کر کے لیتے ہیں کہ نہ بدلے ہوئے حالات کے تقاضوں کی کوئی پروا کرتے ہیں اور نہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے ارتقاء پر نظر رکھتے ہیں۔ مغرب کے انہی نئے ذہین لوگوں نے معرکہ آرا اسلام یا تصادم پسند اسلام یا جنگ جُو اسلام (MILLITANT ISLAM) کی اصطلاح وضع کی ہے۔ یعنی مسلمان جہاں کہیں ہیں وہ دوسروں کے خلاف جارحیت کا رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔ جو لوگ ہماری یہ تصویر بنا بنا کر پھیلا رہے ہیں اور خود ہمارے سامنے یہ سمجھ کر اسے پیش کرتے ہیں کہ یہ ہے حضور والا کا جلوۂ فتنہ انگیز، وہ درحقیقت ہمارے مخالفین ہیں اور انہیں اسلام کا افقِ تاریخ پر اُبھرنا سخت ناپسند ہے۔ جو مغربی قوتیں بعض اوقات بعض پہلوؤں سے ہمارے کندھے تھپتھپاتی ہیں وہ دراصل موقع کی مناسبت سے مجبور ہو کر ہمیں کسی غرض کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہیں۔ ایسے حالات میں وہ ہمیں اقتصادی اور دفاعی امداد بھی دیتی ہیں اور دوستی بھی گانٹھتی ہیں۔ مگر دشمنی اپنی سطح پر قائم رہتی ہے اور دوستی اپنی جگہ پر

---

[1] اندرا گاندھی نے اس موقع پر بغلیں بجاتے ہوئے کہا تھا کہ ہم نے مسلمانوں سے ایک ہزار سال پہلے کا بدلہ لے لیا ہے۔ پاکستان میں مزید جو مٹھی بھر بہت انقطاع پسند عناصر دبے دبائے موجود ہیں۔ وہ اس فقرے کی روشنی میں اپنی قدر و قیمت لگائیں کہ تاریخ کی منڈی میں وہ کیسا مال ہیں؟

بگڑتی، ٹوٹتی، بدلتی رہتی ہے، فیصلہ کن مرحلہ آنے پر ضرورت کی دوستی، حقیقی دشمنی کے راستے پر پڑ جاتی ہے۔

ابھی ابھی اسرائیل کے گھناؤنے مظالم کا طوفان بیروت میں ہمارے بھائیوں کے سر سے گذرا ـــ اور ہمارے سروں سے غم اور ندامت کی ملی جلی لہریں گذر گئیں۔ اس موقع پر نہ امریکہ کے بنیادی حقوق کے نعرے مؤثر ثابت ہوئے، نہ اقوام متحدہ جارحیت کے قدم روک سکی اور نہ کوئی قومی و علاقائی معاہدہ یا بین الاقوامی سمجھوتہ بہیمیت کے طوفان کے آگے بند باندھ سکا۔ ۱۹۷۱ء میں ایک دوستی کا تجربہ ہم بھی کر چکے ہیں اور اب پھر اسی دوستی کا خیر مقدم کرنے کے لیے ہم مجبور ہیں۔ بین الاقوامی قسائیوں کی منڈی میں ہم ذبح بھی ہوتے ہیں اور قسائیوں سے دوستی بھی نبھاتے ہیں۔ ہائے رے ہم!

دونوں بڑی عالمی طاقتیں مغرب کی مادہ پرستانہ تہذیب کی پرورش کردہ ہیں۔ اور ہم دونوں کے حلقہ ہائے اثر میں یکساں پس رہے ہیں۔ وہ سمرقند و بخارا کی ریاستیں ہوں یا لبنان اور یونان کی، حبشہ، ارٹریا، صومالیہ اور اوگاڈین کے علاقے ہوں یا ویت نام، کمپوچیا اور تھائی لینڈ کے، یوگوسلاویہ کی مملکت ہو یا فلپائن کی، بھارت کی مسلم اقلیت ہو یا نائجیریا کی مسلم اکثریت ـــ دُنیا کے ہر گوشے میں دونوں عالمی طاقتوں کے زیرِ سایہ ہماری خوں ریزی ہو رہی ہے۔

چاروں طرف سے یلغار کرنے والی بہیمیت پسند قوتوں کا اصل ہدف پاکستان ہے۔ کیونکہ پاکستان میں جو اسلامی تحرکت نمو چ دکھا رہی ہے اس کے زیر اثر دُنیا میں جہاں کہیں کوئی اکیلا مسلمان بھی ہے تو وہ بھی اپنے اندر ایک جذبۂ اقدام محسوس کرتا ہے۔ یہ ایک عبرت ناک منظر ہے کہ ظلم و جارحیت کے طوفان سے دنیا کے بہت سے علاقوں میں نہایت محدود اقلیتی مسلم قوتیں ٹکرا رہی ہیں اور اسلام کے احیا کے لیے اپنی زندگیاں نچھاور کر رہی ہیں۔

یہ ہے وہ عالمی نقشۂ احوال جس کے درمیان پاکستان گھرا ہوا ہے۔ دُنیا میں جہاں کہیں کوئی مسلمان نشانۂ ظلم بنتا ہے تو درحقیقت پاکستان کا وجود مجروح ہوتا ہے، جہاں کہیں کوئی

مسلمان آبادی تباہ کی جاتی ہے تو درحقیقت ہماری ہی قوت کا ایک حصہ تباہ ہوتا ہے اور پھر ظالم و جارح فوجیں آہستہ آہستہ ہماری طرف آگے آگے بڑھتی چلی آرہی ہیں۔ اس حالت میں ہمارے اندرونی احوال بہت اچھے ہونے چاہئیں مگر یہاں دوسرا ہی نقشہ ہے۔

گذشتہ سال ڈیڑھ سال سے بعض بڑے پیمانے کی اور بعض گھناؤنی تخریبی کارروائیاں ہوتی چلی آرہی ہیں، مگر نہ مجرم پکڑے جاتے ہیں اور نہ ان کو سزا ملتی ہے۔ گاڑیوں کے اُلٹنے اور تباہ ہونے اور آتش زنی اور بنکوں اور خزانچیوں پر ڈاکوں اور شاہ راہوں پر بسوں اور ٹرکوں اور کاروں کو لوٹنے کی وارداتوں کا وقوع اتنی کثرت سے ہوا ہے کہ عوام کے سر چکرا گئے ہیں۔ سیاسی بنیادوں پر اہم شخصیتوں اور نوجوان طلبہ کے قتل کے سانحے بھی جاری ہیں۔ پولیس کا یہ حال ہے کہ اس محکمے کے بعض افراد براہ راست جرائم کے ذمہ دار نکلے، بعض تھانوں میں جرائم ہوئے۔ اس ملک میں پہلی بار کم سے کم ۲ مجسٹریٹوں کے ساتھ یہ ناشدنی پیش آئی کہ انہوں نے کسی تھانیدار کو رشوت لیتے ہوئے پکڑا اور تھانیدار نے اپنے ماتحتوں کی مدد سے مجسٹریٹ سے قبضہ میں لی ہوئی رقم اور کاغذات واپس چھین لیے۔ یہ شکایت تو عام ہے کہ پولیس پرچہ درج نہیں کرتی۔ کبھی اپنی مرضی سے ملزموں کے نام لکھتی یا کاٹ دیتی ہے، پھر ملزم بیشتر صورتوں میں پکڑے نہیں جاتے، پکڑے جائیں تو سزا نہیں ملتی۔ بحر کاروں کی بیرہ دستیوں کے واقعات، اُن کے جال سے بھاگ نکلنے والوں نے بار بار بیان کیے، مگر کوئی انسدادی کارروائی نہیں ہو سکی۔ بردہ فروش عورتوں اور بچوں کو پکڑ پکڑ کر باہر لے جا کر بیچتے ہیں مگر کوئی تدارک نہیں۔ اہم کاروباری افراد یا بچوں کو یرغمال میں رکھ کر بدمعاش اور سیاسی تخریب کار بڑی بڑی رقمیں طلب کرتے ہیں۔ لوگوں کے گھروں میں گھس کر ان کی عزتوں کو تاراج کرنے کے واقعات بار بار ہو چکے ہیں۔ بجلی والے میٹر پڑھے بغیر بھاری بل بنا دیتے ہیں۔ اور کہیں سرے سے میٹر پڑھنے سے نجات حاصل کرنے اور زائد بجلی خرچ کرنے والی خاص اسامیوں کو سہولت دلانے کے لیے بل "بحساب اوسط" بنانے کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے۔ کسٹم اور ٹیکس والوں کے اپنے بڑے بڑے کھیل ہیں۔ پہلے ریلوے کی ریزروڈ سیٹوں اور برتھوں کے سودے ہوتے تھے۔ اور اب پی آئی اے کی سیٹیں بھی "او۔کے" ہونے کے باوجود کسی تیسرے شخص کے ہاتھ بک سکتی ہیں۔ دفتروں میں کسی کاغذ کے ایک میز سے دوسری میز تک

پہنچنے کے لیے چاندی کی قوتِ حرکت درکار ہے۔ بسوں میں ممانعت کے باوجود ٹیپ بجتے ہیں۔ مگر سرکاری قوتیں گرفت کرنے میں بے بس ہیں۔ کنڈکٹر ٹکٹ دیئے بغیر پیسے وصول کر کے جیب میں ڈالتے ہیں۔ لاہور کی ویگنوں میں گنجائش سے زائد سیٹیں بنی ہوتی ہیں۔ اور سیٹوں سے زائد سواریاں "مرغا" بنتی ہیں مگر کوئی نہیں جو ٹوک سکے۔ سڑکیں اُکھڑی ہوئی ہیں۔ گلیاں گندگی سے اٹی پڑی ہیں۔ سڑکوں کا نصف حصہ تجاوزات کی نذر ہو چکا ہے، بارش ہو تو پانی جا بجا کھڑا ہوتا ہے، مگر کسی خرابی کا کوئی علاج نہیں۔ یہ تو معمولی باتیں شمار ہوتی ہیں۔ یہاں مکان اور زمینیں اصل مالکوں سے بالا بالا بِک جاتی ہیں۔ اور پلاٹوں پر مخالفانہ قبضے ہو جاتے ہیں۔ لیکن کہیں دادرسی نہیں ہوتی۔ بیواؤں کے جوان بیٹے اور سہاگنوں کے خاوند موت کے گھاٹ اُتار دیئے جاتے ہیں۔ اور وہ رونے دھونے کے سوا کچھ نہیں کر سکتیں۔ جو آدمی اخبارات میں شکایات کے کالم چند ہفتے مسلسل پڑھے اور یہ سمجھے کہ صرف چوتھائی حصہ صحیح ہے تو بھی اُس کا دل زندگی سے بیزار ہو جائے گا یا وہ خود بھی مجرم بن جائے گا۔

سیاسی جماعتوں کا یہ حال کہ قانونی بندش کی وجہ سے ان کا نظم بکھر چکا ہے، فرد فرد الگ طرح سوچتا ہے۔ اس وجہ سے بھانت بھانت کی بولیاں ہیں۔ نظریاتی طور پر توازن باقی نہیں رہا۔ لادینیت پسندوں، اشتراکیوں، مفاد پرستوں، مغرب زدہ عناصر اور علیحدگی پسندوں کے لیے زیرِ زمین کام کرنے کی راہیں چوپٹ کھلی ہیں۔ اب ان کا میدانِ کار ایسے بکھرے ہوئے افراد ہیں جو کسی پارٹی سے وابستہ نہیں۔ اور کسی قیادت کی طرف سے ان کو اطمینان بخش حد تک رہنمائی نہیں ملتی۔ اُوپر جن مخالف قوتوں کا ذکر کیا گیا ہے اُن سب کے نفوذ کا یہاں کام کر رہے ہیں۔ اور سب کی محنتوں کی کھیتیاں شاداب ہیں۔ دبی زبان میں علیحدگی پسند حضرات بلوچستان اور سندھ کے بارے میں شگوفے چھوڑتے رہتے ہیں۔ اور نیچے زیرِ زمین کام کرنے والے نہایت اطمینان سے کام کر رہے ہیں۔ طلبہ کی حد تک خاص خاص برادریوں کی گروہ بندیاں بن رہی ہیں۔ ایک یونیورسٹی میں تو گذشتہ انتخابات برادریوں ہی کی بنیاد پر ہوئے اور تازہ خبر لاہور میں ایک خاص برادری کے طلبا کے مجتمع ہونے کی ہے۔ اِس فتنے کی کوئی روک تھام نہیں۔

اِدھر سیاسی اور مذہبی لیڈر مضطرب ذہنوں کے ساتھ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں متحد ہونے کی باتیں ہیں مگر بنیادی جذبہ تفرقہ پسندی کا ہوتا ہے اور وہ شروع ہی سے بالکل نمایاں ہوتا ہے۔ کوئی تصور نہیں کہ کن عناصر کو جمع ہونا چاہیے اور کن مقاصد کے لیے جمع ہونا چاہیے۔ حال یہ ہے کہ جس کے سبب سارا ملک بیمار ہوا تھا، اسی عطار کے لونڈے سے دوا لینے کے لیے لوگ ہمک رہے ہیں۔

حکومت کے ایوان سے جب پہلے پہل اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی کا اعلان ہوا تھا تو گوناگوں کے اندر بڑی اُمیدیں اُبھر آئیں۔ مگر بہت جلد چند اسباب کی وجہ سے اوس پڑ گئی۔ اس صورت حال کا تجزیہ ہمارے نزدیک یوں ہے۔

۱۔ نفاذِ اسلام (اور اب اصلاح معاشرہ) کا اعلان ہوا مگر اس کام کا ذریعہ بیوروکریسی کی ایک مشینری بنی جس میں اسلام سے محبت و وفاداری رکھنے والے کم اور مزاحمت کرنے والے زیادہ تھے۔ ایک مزاحمت پسند عنصر تو وہ ہے جو ناجائز مفاد، رشوت ستانی، خیانت کاری یا اقربا نوازی کے لیے احیائے اسلام کو خطرناک سمجھ سکتا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ سخت قسم ان لوگوں کی ہے جو نظریاتی و اعتقادی طور پر اسلام کی مزاحمت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کمیونسٹوں اور لادینیت پسندوں کے علاوہ بعض خاص گروہوں کے افراد شامل ہیں۔ تیسرا سب سے بڑا عنصر پیپلز پارٹی کے حامیوں، خصوصاً خود پارٹی کے بھرتی کرائے ہوئے افسروں اور ملازمین کا ہے۔ یہ تمام عناصر آپس میں گٹھ جوڑ رکھتے ہیں۔

اب ہو یہ رہا ہے کہ اگر کہیں کسی جگہ دو ایک محبانِ اسلام جمع ہیں تو ان کے اوپر کوئی مخالف ذہن کا افسر بیٹھا ہوا ہے۔ اگر کہیں کوئی افسر اعلیٰ اچھے ذہن کا ہے تو اُس کے ساتھ دو ایک ایسے نائب لگا دیے گئے ہیں کہ وہ اوپر بھی ساز باز کرتے ہیں اور نیچے بھی اثر انداز ہو کر افسر کی ہر اہم اسکیم کو ناکام کرا دیتے ہیں۔

۲۔ سیاست کے دائرے سے غلط کار عناصر کی تطہیر نہیں کی گئی۔ مثلاً یہ (باقی بر صفحہ ۵۱)

(بقیہ اشارات) تک نہیں کیا گیا کہ جن لوگوں کا کچا چٹھا سرکاری قرطاس ابیض میں کھولا گیا تھا، کم سے کم ان کا پورا احتساب ہوتا۔ کجا یہ کہ اسی تھیلی کے دوسرے چٹوں بٹوں کے متعلق عوام کو موقع دیا جاتا کہ وہ احتساب کے عمل میں مدد دیں۔

نتیجہ یہ کہ یہ خطرناک قسم کے سیاسی لوگ خاموشی سے محلوں، مجلسوں، تھانوں اور سرکاری دفتروں میں لفو فکر کے حالات کو خرابی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ ان میں سے بعض کو حکومت کی پسندیدگی کی سند بھی حاصل ہوگئی ہے۔ اب اگر کل کلاں کسی وقت انتخابات ہوئے تو وہ لوگ جو قومی مجرموں کا مرتبہ رکھتے ہیں، وہ پہلے سے زیادہ طنطنے کے ساتھ محب اسلام و وطن افراد یا جماعتوں کا مقابلہ کریں گے۔

۳۔ خرابی احوال کا ایک سبب حکومت کی وہ غیر جانب داری ہے جو قاتل اور مقتول، ظالم اور مظلوم، مدعی اور مدعی علیہ، محب اسلام اور مخالفِ اسلام یا محب وطن اور غدارِ وطن کو ایک ہی لکڑی سے ہانکتی ہے۔

وہ جو اسلام کا وفادار ہے، جو اسلامی ریاست کو مضبوط دیکھنا چاہتا ہے، جو اسلامی اقدار کا فروغ چاہتا ہے، جو برائیوں کا قلع قمع کرنا چاہتا ہے، اُسے آپ ایسے لوگوں کے برابر رکھنا چاہتے ہیں جو نہ اسلام کے وفادار ہیں، نہ اسلامی ریاست کا بھلا چاہتے ہیں، نہ اسلامی اقدار کے فروغ کو پسند کرتے ہیں اور نہ ان برائیوں کو برائیاں سمجھ کر مٹانا چاہتے ہیں جنہیں اسلام مٹانا چاہتا ہے۔

اسی غیر جانب داری کا یہ بھی کرشمہ ہے کہ جو مرتبہ اسلامی ذہن کے ایک افسر کا ہے، وہی مرتبہ کمیونسٹ یا قادیانی ذہن کے ایک افسر کا بھی ہے، جو قدر و قیمت ایک دیانت دار ملازم کی ہے۔ وہی ایک رشوت خوار اور خیانت کار ملازم کی بھی ہے۔ اور پھر اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلامیات کی تدریس پر ایک کمیونسٹ کا تقرر بھی اسی طرح ہو سکتا ہے جیسے اسلام پر عمل کرنے والے ایک اُستاد کا۔

اس غلط قسم کی غیر جانب داری ہی کی وجہ سے احیائے اسلام کی وہ کوششیں بار آور نہیں ہو رہی ہیں جو اب تک کی گئی ہیں۔

۴۔ نفاذِ اسلام کے لیے جو اقدامات کیے گئے ہیں وہ اوّل تو ادھورے ہیں، کسی وسیع اسکیم

یا منصوبہ بندی کے تحت تدریجی کارروائیوں کا نقشہ سامنے نہیں ہے۔ پھر جو احکام نافذ کیے گئے ہیں اُن کے ساتھ بھی تنفیذی قوت موجود نہیں ہے، اکثر چیزیں بس سفارش کی نوعیت رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احکام نافذ کرنے کے بعد یہ دیکھنے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ عمل کہاں تک ہوا اور کہاں تک نہیں؟ کس کی ذمہ داری تھی؟ اور کس پر گرفت ہونی چاہیے؟

اخلاقی وعظ اور سفارشات کرنے کے مراکز دوسرے ہیں، حکومت وعظ نہیں کیا کرتی، حکم دیتی ہے۔ حکم کو نہ مانا جائے تو وہ گرفت کرتی ہے۔ اس کا طریقہ یہ نہیں ہوتا کہ گاڑی پر ٹکٹ لے کر سفر کرنے والوں اور بے ٹکٹوں کے ساتھ ایک ہی معاملہ کیا جائے۔

دفتروں کو اقامتِ صلوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا، اسکولوں میں طالبات کو چادر دوپٹہ اوڑھنے کا حکم دیا گیا تھا، اخبارات کو فحاشی سے پرہیز کا حکم دیا گیا تھا۔ ٹیلی وژن کو بعض اُمور سے منع کیا گیا تھا، آخر کسی کو جائزہ لینا چاہیے کہ ان احکام کا حشر کیا ہوا۔

ایک حکومت کے حکم جب اس طرح غیر مؤثر بن جاتے ہیں تو لوگوں کو عدم تحفظ کا احساس ہوتا ہے۔

۵۔ اصل مصیبت یہ ہے کہ حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کا ذریعہ کوئی نہیں رہا۔ کوئی ہونا چاہیے جو حکومت کے منشا کو عوام تک پہنچانے اور ان میں اچھی چیزوں کو قبول کرنے کا جذبہ پیدا کرے، دوسری طرف عوام کے اضطرابات و مسائل کو حکومت کے سامنے رکھے۔ یہ خلاء بیوروکریسی اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے نہیں پر کیا جا سکتا۔

اب جو حکومت مستقل طور پر سیاسی جماعتوں کو کالعدم کر دے، اس کی یہ ضرورت کیسے پوری ہو سکتی ہے کہ کوئی ہو جو اس کا رابطہ عوام سے جوڑے رکھے۔

اس خلاء کے ہوتے ہوئے اچھی سے اچھی کوششیں ناکام ہو جائیں گی۔

اُوپر کے اجمالی اشارات یہ شہادت دیں گے کہ موجودہ فوجی حکومت کے لیے منفی پلڑے میں احوال و حوادث کا بوجھ بڑھتا جا رہا ہے۔